تمہید

چند برس ہوئے ایک کہانی شائع ہوئی "آنندی" جس نے عباس کے لیے یکایک اردو کے بڑے افسانہ نگاروں میں جگہ پیدا کردی۔ اس افسانے نے پڑھنے والوں کے دل میں کئی سوال ازسرِنو اجاگر کر دیئے۔ کیا خیر و شر کا کوئی مجرد وجود ہے یا یہ دونوں محض اضافی اقدار ہیں؟ کیا خیر کا نتیجہ ہمیشہ خیر ہی ہوتا ہے یا خیر کرنے والے اکثر بزرگ اپنی تمام نیک نیتی کے باوجود بے سمجھے بوجھے شر کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں؟ کیا ہماری تمام تہذیبی ترقی کا تانا بانا وہ عورت تو نہیں جو حقیر مزد کے بدلے ہماری ناگفتہ بہ خواہشات کی تسکین بہم پہنچاتی ہے؟

اس کہانی میں غلام عباس نے اس عورت کے گرد اگرد جس طرح ایک شہر ایک پورے شہر کی تعمیر منزل بمنزل دکھائی تھی۔ وہ ایک طرف تو پوری تہذیبی ترقی

کی تمثیل تھی ، دوسری طرف اخلاق کے ان نیک دل اور نیک نیت نگہبانوں پر ایک خندۂ تضحیک تھا جو ہر تجربے کے باوجود یہ سمجھتے ہیں۔ کہ گناہ کو اگر شہر بدر یا انسان بدر کر دیا جائے تو ہمیشہ کے لئے روپوش ہو جاتا ہے اور پھر کبھی سر نہیں اٹھاتا۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ قانون کے ایک ہی "تازیانہ" سے ہر بدی کو ہمیشہ کی نیند سلایا جا سکتا ہے۔

یوں تو قحباؤں اور ان کی زندگی پر ہزاروں افسانے اور مقالے لکھے جا چکے ہیں، جن میں کہیں قحبہ کے وجود کو انسانی تہذیب کے دامن کا داغ بتایا گیا ہے کہیں اس کے وجود کا جواز پیش کیا گیا ہے۔ اور کہیں اس کو قابلِ رحم اور مجبور ہستی جان کر درگذر کر دیا گیا ہے۔ لیکن عباس کی یہ کہانی کسی ایسے نقطۂ نظر کی حامل نہ تھی۔ اس کی کئی کہانیوں میں قحبہ یا اغواشدہ عورتیں یا مرد کے سامنے بے بس عورتیں آئی ہیں لیکن کہیں بھی اس کا مقصد ان کی زندگی کا مطالعہ کرنا یا اس پر نیم اخلاقی نیم فلسفیانہ نقطۂ نظر سے خیال آرائی کرنا نہیں۔ بلکہ وہ ان کو محض بہانہ بنا کر مرد' ازلی طور پر خوش فہم مرد کی ہستی کے تضاد اور اس کی ذہنی ثنویت کا خاکہ اڑاتا ہے۔

یہ اس کی کئی کہانیوں کا پسندیدہ موضوع ہے۔ کہ انسان اکثر ایسے عقائد اور خیالات سے وابستہ رہتا ہے جن کا جواز اسے خود بھی بیشتر نظر نہیں آتا۔ ان عقائد اور خیالات کے باوجود اور ان ظاہری اعمال کے باوجود' جو ان عقائد کی بنا پر انسان سے سرزد ہوتے ہیں، انسان کے دل میں طرح طرح کی خفیہ آرزوئیں لرزتی رہتی ہیں

تمہید

جو معاشرت اور ارد گرد کے دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے بندھنوں کی وجہ سے کھل کر ظاہر نہیں ہوتیں، محض چھپ چھپ کر دیکھتی رہتی ہیں۔ اور اس سے کبھی دانستہ اور کبھی بے ارادہ وہ کام کراتی ہیں، جو اس کے ظاہری عقائد سے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔

غلام عباس ہمارے بہت سے جانے بوجھے افسانہ نگاروں سے بے حد مختلف ہے۔ اس کا فن نرم رو اور سبک سیر ہے۔ وہ منٹو کی طرح زندگی کے بخیئے نہیں ادھیڑتا وہ عسکری کی طرح کم عمری میں بالغ ہو جانے والے بچے کی طرح چھپے روزنوں میں سے زندگی کو نیم برہنہ نہیں دیکھتا۔ وہ عزیز احمد کی طرح ناکام مصلح بن کر کسی فاسد انا کی تسکین بھی نہیں کرتا۔

غلام عباس محض چھوٹے آدمی کا داستان گو ہے، اسے کبھی وہ شہر کے کسی دور افتادہ محلے میں جا ڈھونڈتا ہے اور کبھی کسی گاؤں سے جا نکالتا ہے۔ سب سے پہلے اس کے گرد و پیش کی تصویر کھینچتا ہے۔ کیونکہ اس کے لئے یہ تصور کرنا بھی ممکن نہیں کہ کوئی انسان ماحول سے الگ تھلگ اپنے اندر ہی زندگی بسر کر رہا ہو۔ اس کا کوئی کردار اپنے آپ میں سرمست نہیں۔ بلکہ اپنے ماحول کا لازمی جزو ہے پھر ہمیں اس کے ظاہری حلیے لباس اور حرکات و سکنات سے پوری تفصیل کے ساتھ آگاہ کرتا ہے تاکہ اس کی معاشرتی حیثیت ہمارے ذہن نشین ہو جائے۔ اس کے بعد کہانی میں اس کے عمل اور گفتگو سے اس کے تمام خد و خال کی ایسی واضح تصویر ہمارے سامنے

تمہید

آنے لگتی ہے کہ اس کا ایک ایک پہلو ہم پر روشن اور اجاگر ہو جاتا ہے
غلام عباس نے اپنی کہانیوں میں شہروں کے گمنام محلّوں اور ان کے مکانوں کی
نہایت دلآویز تصویریں پیش کی ہیں جو اس کے کرداروں کے لئے عقبی پردے
کا کام دیتی ہیں ؛

پھر اس کے اکثر کرداروں کے وجود میں ایک عجیب وغریب ثنویت یا
دُہرا پن ہے ان کا ایک چہرہ اکثر دکھاوے کے لئے ہوتا ہے جس کی حیثیت گویا
خطیب کی چرب زبانی کی ہے جس سے وہ لوگوں کے دل موہنے کی کوشش کرتا
ہے ، دوسرا چہرہ ان کے دل کا آئینہ ہوتا ہے، دل کی ان چھپی ہوئی خواہشات
کا آئینہ جو ہر بندھن سے آزاد رہنا چاہتی ہیں ، عباس کے کرداروں کی یہی
ثنویت کبھی اخلاق کی پابندی اور اخلاق کی آزادی کی کشمکش بن جاتی ہے
اور کبھی جدید و قدیم کے ٹکراؤ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، تاہم اس کے کردار
دھوکا نہیں کرتے دیانت داری سے "گناہ" کے مرتکب ہوتے ہیں ۔ اور
محض اپنی ازلی انسانی مجبوریوں کی وجہ سے ! ان کی بظاہر بے حیائی میں بھی اکثر
ان کی زندہ دلی بدستور قائم رہتی ہے ۔ جیسے "سرخ جلوس" کے ریاض میں
یا ڈائری والے مکرجی میں ؛

اس ثنویت کی بنا پر ہمیں غلام عباس کی اکثر کہانیوں میں ایسے دو دو
کردار نظر آتے ہیں، جو بڑی حد تک ایک دوسرے کے متوازی چلتے ہیں، اس

حد تک متوازی بھی نہیں کہ کبھی ایک دوسرے کا راستہ تک نہ کاٹیں، لیکن دونوں کرداریوں ساتھ ساتھ آدیزاں ہوتے ہیں، جیسے ترازو کے دو پلڑوں میں رکھ دیئے گئے ہوں، مثلاً "بردہ فروش" کے دو بڈھے، "اُس کی بیوی" میں نجمی اور نسرین، "سایہ" کے شمشاد اور مختار۔ اور "بھنور" کی بہار اور گل۔ "غازی مرد" میں چراغ بی بی اور رحمتے یا چراغ بی بی اور گلنار۔ "مکرجی بابو کی ڈائری" میں تو کئی لڑکیاں ایک ہی تار سے لٹک رہی ہیں۔ یہاں ثنویت کلیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ "ایک دردمند دل" میں یہ ثنویت دو مشاغل۔ یعنی علم و فن کی کشمکش کی صورت میں اور "دو تماشے"، میں ایک ہی آدمی کے دوگانہ رویّے میں ظاہر ہوئی ہے۔ اس کے برعکس "تنکے کا سہارا" میں حاجی صاحب اور امام نورالہدے گویا ایک ہی آرزو کے دو پہلو ہیں۔ غلام عباس اپنے کرداروں پر اپنی اس دوہری نگاہ سے ایک طرح دوہری طنز پیدا کرتا ہے۔ ان دونوں کو تھوڑی دور دوش بدوش چلاتا ہے پھر الگ کر لیتا ہے۔ پھر وہ ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلنے لگتے ہیں۔ اور اس طرح ان کی شخصیت اصلی شخصیت کا کھوکھلا پن اس کی ظاہرداری اور اس کے نہفتہ جھوٹ کی آہستہ آہستہ پردہ دری کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کے اکثر کردار دل میں وہ باتیں چھپائے پھرتے ہیں جنہیں وہ اپنے آپ پر بھی ظاہر کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔

اور اپنی اس کشمکش کے باوجود اخلاقی اعمال یا ان کی خواہش اُن کے ضمیر کی گہرائیوں میں سنگِ گراں بن کر پڑی رہتی ہے۔

غلام عباس پُر امن، پُر آہنگ گھریلو زندگی کا فنکار ہے۔ جس میں بعض دفعہ ایسے غلط سُر بھی اُٹھنے لگتے ہیں جو اس آہنگ کو برہم کر دیتے ہیں۔ خوبصورت رستے بستے گھر موت سے اُجڑ جاتے ہیں۔ پیارے پیارے بچے ناگہاں زندگی کے گرداب میں پھنس جاتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے عباس اُن بدنصیب عورتوں کے لئے بھی پُر امن زندگی کا خواہاں رہتا ہے جو اخلاقی یا معاشرتی نقطۂ نظر سے راندی گئی ہیں، وہ نہیں چاہتا کہ کوئی ایسا شخص جو خود نفسیاتی برہمی کا شکار ہو ان کی زندگی میں کوئی ناقابلِ برداشت ہیجان پیدا کر کے چلا جائے۔ وہ نہیں چاہتا کہ ان کی زندگی جو معاشرت اور عالمِ انسانی کے روزمرّہ کے بندھنوں سے آزاد ہو چکی ہے پھر ان میں جکڑ دی جائے۔ وہ اس نیکی اور اس احسان کا بھی حامی نہیں جو انسانی فریضے کی صورت میں نازل ہو اور دوسرے انسانوں کو مجبور اور مظلوم بنا کر چھوڑ دے وہ اس کا مخالف ہے۔ کہ کسی انسان کی طبعی صلاحیتوں پر وہ بار ڈالا جائے جو خود ایک عظیم گناہ بن کر رہ جائے۔

یوں تو غلام عباس کے سبھی کردار زندگی کے تمام دکھوں کے ساتھ ہر قدم پر مصالحت کرنے کے عادی ہیں۔ اور زندگی کے دھارے کے ساتھ

تمہید

ساتھ بہنے ہی کو اپنے لئے راہِ نجات جانتے ہیں۔ لیکن اس کے افسانوں کی
قریب قریب سبھی عورتیں خاص طور پر مرد کی "خدمت گزار" (چراغ بی بی)
مرد کی خواہشات کے سامنے بے بس (بیوہ سیدانی) اُس کے اصلی یا خیالی
دکھ درد کی داستان سُن کر گداز ہو جانے والی (نسرین) یا مرد کو ہر حالت میں
خدا کی دین سمجھنے والی (بہار) نظر آتی ہیں۔ تاہم عباس ان افسانہ نگاروں میں
نہیں جو مرد کو ہمیشہ عورت کے حق میں رہزن ثابت کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ اس
کے مردانہ کردار دل میں کچھ ہی کیوں نہ رکھتے ہوں بظاہر اکثر عورت کے
محافظ بھی ہیں۔ یوں نہیں کہ ان کی حیوانی خواہشات سرے سے دب گئی
ہوں، لیکن چاہے کبھی مذہب اور کبھی معاشرت کی آڑ لے کر وہ بے بس مجبور
عورت کے نگہبان اور خیر اندیش ضرور بن جاتے ہیں۔ اور اس کو ہر قسم
کی اذیت سے بچانے کے لئے ہر طرح کے جائز ناجائز اعمال کو روا رکھتے ہیں
وہ عورتیں خود ہر حالت میں مرد کے ساتھ نباہ کی قائل ہیں۔ اور اس سے الگ
ہونا انہیں اکثر گوارا نہیں ہوتا۔ گناہ اس کے کسی کردار کا پیچھا نہیں کرتا
وہ سب کے سب جائز و ناجائز کو زندگی کی تفریح اور لذّت کا جزو سمجھتے ہیں
جیسے اس کے بغیر زندگی کے کھوکھلے اور سُونے ہو جانے کا ڈر ہو۔ اس
کے کرداروں میں کہیں ایسے نوجوان ہیں جن کی آرزوئیں دل کی دل میں
رہ جاتی ہیں۔ کہیں وہ جو ایک آئینے میں دو صورتیں دیکھ کر دل بہلا لیتے ہیں

تمہید

جو روتے ہیں تو ایک عورت کے کندھے پر سر رکھ کر اور پرستش کرتے ہیں تو دوسری عورت کی ۔ جن میں ایک غائب ہے اور دوسری حاضر ہے اور دونوں ایک دوسری میں مخلوط ہوتی چلی جاتی ہیں ۔ کہیں وہ ادھیڑ عمر کے مرد ہیں جو کسی مجبور عورت پر رحم کھا کر اس سے عقد کر لیتے ہیں ۔ کہیں وہ جو دوسروں پر احسان کرنے کی کوشش میں دن رات ایک کر دیتے ہیں ۔ اور پھر اس احسان کو بھلا دینا بھی انہیں گوارا نہیں ہوتا ۔ وہ عمر رسیدہ لوگ ہیں جو زندگی کی دوڑ میں نئی پود سے پیچھے رہ گئے ہیں ۔ اور اس کا غصّہ ایک ایسے غریب پر نکالتے ہیں ۔ جسے وہ اپنے خیال میں فضول جدیدیت کی تمثیل سمجھتے ہیں ، پھر وہ غریب لوگ ہیں جو روایتی انداز میں امیروں کی خدمت گذاری کو اپنی پوری زندگی کا مقصد بنا لیتے ہیں ۔ ایسے تعلیم یافتہ لوگ جو اِن بڑھوں کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر ان کے کرتا دھرتا بن جاتے ہیں ۔ ایسے لوگ جنہیں بعض دفعہ چھوٹے چھوٹے لالچ دوست داری کے اصولوں سے بھی منحرف کر دیتے ہیں ؛

مجھے بعض دفعہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ غلام عباس کے افسانوں کے ہیرو اس کے افسانوں کے لئے اتنے اہم نہیں جتنے وہ ضمنی کردار جن سے اس کے افسانوں کے اندر زندگی کا پورا میلہ صورت پکڑتا ہے ، اس میلے میں طرح طرح کے لوگ آتے جاتے ہیں ۔ سرکاری افسر ،

تمہید

کلرک، فن کار، کالجوں کے طلباء اور طالبات، اخباروں کے نمائندے نرسیں، اینگلو انڈین لڑکیاں، مزدوری پیشہ لوگ، بیمہ ایجنٹ، خوانچہ فروش، عشق میں شعر کہنے والے، گودیوں کھلانے والے پُرانے نوکر اور مامائیں۔ نمازی پرہیزگار، کسان وغیرہ وغیرہ۔غلام عباس کی دُنیا اس بے پناہ خلقت سے بھری پڑی ہے۔ انہیں میں سے وہ اپنے بڑے کرداروں کو نکالتا ہے اور انہیں کے اندر اُنہیں پھر سے ڈال دیتا ہے۔انہیں کی مدد سے وہ انسانی دنیا کی چھوٹی بڑی کوتاہیوں پر ہنستا ہے، انہیں کے اعمال سے غلام عباس اپنا یہ بنیادی تصوّر ہم پر واضح کرنا چاہتا ہے۔ کہ انسان کی دنیا میں کوئی چیز اور کوئی قدر مستقل نہیں انسان ہمیشہ سے دوسرے انسان کی حیلہ سازیوں کے سامنے بے بس چلا آرہا ہے، اور ان حیلہ سازیوں سے محفوظ رہنے کا بہترین طریقہ یہی ہے، کہ انسان شر کو بھی خیر کے پہلو بہ پہلو جگہ دے۔ تاکہ دونوں کے آہنگ سے دنیا زیادہ خوبصورت اور زیادہ رنگین ہوتی چلی جائے +

"جاڑے کی چاندنی" غلام عباس کے افسانوں کا دوسرا مجموعہ ہے۔ جیسے پہلے مجموعۂ "آنندی" میں کئی افسانے، "آنندی" "جواری" "حمام میں" "کتبہ" اردو ادب میں لازوال مقام رکھتے ہیں۔اسی طرح

تمہید

اس مجموعے کی کہانیاں "سایہ" "بردہ فروش" "اُس کی بیوی" "غازی مرد" "باجے والا" یقیناً زندہ جاوید رہیں گی۔ کیونکہ اُردو ادب کے اس دَور میں جب اکثر ادیب محض جوش و خروش کے سہارے زندہ ہیں، خواہ وہ سیاسی عقائد کی حمایت یا مخالفت میں، یا جنسی نظریات کے اظہار کی صورت میں نمودار ہو، غلام عباس ہی غالباً وہ واحد افسانہ نگار ہے، جس کا فن انسانی زندگی کے رنگا رنگ مسائل کو احاطہ کرتا ہے، جسے زندگی سے گہری محبت ہے، اتنی گہری محبت کہ نہ وہ اس کے بخیئے ادھیڑتا ہے، نہ اسے ننگا کرتا ہے نہ اپنی اَنا سے اسے مرعوب کرتا ہے۔ بلکہ زندگی کو اپنا محرم راز جانتا ہے۔ اُس سے سرگوشیاں کرتا ہے اور اُس کی سرگوشیاں سُنتا ہے :

کراچی : ن۔م۔ راشد

۲۴ جولائی ۱۹۶۰ء